مولانا حذیفہ وستانوی*

دارالاسلام و دارالکفر
اورعصر حاضر میں اس کی تطبیق

دور نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلاماً جو وجہ ارض کا سب سے مسعود ترین دور اور عہد گذرا ہے، اس لیے کہ اسی دور میں خاتم الانبیاء والمرسلین سید ولد آدم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر موجود تھے، اُم الکتب قرآن کریم کا نزول بھی اسی دور میں ہوا، لہٰذا اس دور کو یہ حق بنتا ہے کہ سید الادوار، سید العہود کہا جائے، اس دور کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسلام جیسا آسمانی مذہب اور دین اسی دور میں مکمل اور تام ہوا، اور قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کے حل کے خطوط ونشانات دے کر گیا، ہم اس پر اللہ کی جتنی بھی تعریف کریں کم ہے، اللہ ہمیں اسلام کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جہاں دورِ حاضر میں بہت سے نئے مسائل پیش آئے اور آرہے ہیں وہیں ایک مسئلہ ''دارالاسلام اور دارالکفر'' کی تعیین کا بھی ہے، اس لیے کہ بہت سے احکام کا تعین اس تعین پر موقوف ہے۔ کیوں کہ اب حالات عجیب طرح کے ہوگئے ہیں، حکومتیں ایک طرف ''آزادی'' ''مساوات'' ''جمہوریت'' کے گیت گاتے نہیں تھکتیں اور دوسری جانب ہر طرف مسلمانوں اور اسلام کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جارہا ہے، اور اس باب میں غیر تو غیر، مسلمان حکمرانوں کا بھی یہی حال ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں ''دارالاسلام اور دارالکفر'' کا تطابق کیسے ہو؟ تو آیئے! ہم اس مضمون میں اس کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

دار کی تعریف: دار اس ملک کو کہتے ہیں، جو تین چیزوں کو شامل ہو:

(۱) اِقلیم (Country): یعنی محدود جغرافیائی مقام۔

(۲) سکان (Population): یعنی اس علاقہ کے آباد لوگ۔

(۳) سلطنت (Kingdom): وہ قیادت جو اس منطقہ میں قائم ہو، امام ابن العابدین تحریر فرماتے ہیں: المراد بالدار الاقلیم المختص بقهر ملک اسلام و کفر۔ عمار بن عامر، اس کی شرح میں تحریر فرماتے

---

* استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، انڈیا

ہیں: یظهر من التعريف انه شرط في الدار ۔ الاقليم والسكان و السلطة

(الهجرة إلى بلاد غير المسلمين: ص ۷۹)

دار کی تقسیم: نفاذ قوانین کے اعتبار سے حکومت کی دو قسمیں ہیں: (۱) دارالاسلام (۲) دارالکفر

پھر دارالاسلام کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) دارالاسلام حقیقی (۲) دارالاسلام حکمی

دارالاسلام حقیقی کی تعریف:

اس ملک کو کہتے ہیں جہاں دستوری طور پر اسلامی قوانین اور اسلامی احکام نافذ ہوں، اور اس ملک کے قائدین وحکام مسلمان ہوں۔ امام ابن القیم الجوزیؒ فرماتے ہیں: دار الاسلام هي التي نزلها المسلمون و جرت عليها احكام الاسلام ۔ (احكام اهل الذمه: ج۲/ ص ۷۲۸) اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: تعبر الدار دار الاسلام بظهور احكام الاسلام فيها و ان كان جل اهلها من الكفار ۔ (المبسوط: ج۱۰/ص ۱٤٤)

دارالاسلام حکمی: اس ملک کو کہتے ہیں جہاں مسلمانوں کو، اپنے بعض شعائر پر عمل کی اجازت ہو، مثلاً: نماز، اذان، جمعہ وغیرہ، اگر چہ وہاں عالمی وضعی (خود ساختہ یعنی انسان کے بنائے ہوئے نہ کہ اللہ کے نازل کردہ) قانون نافذ ہو، البتہ وہاں کے قائدین اور حکومتی کارندے مسلمان ہوں۔ اس وقت تمام اسلامی ممالک اسی حکم میں ہیں، کوئی ملک حقیقی دارالاسلام کا مصداق ومجاز نہیں ہے۔ ابن العابدین تحریر فرماتے ہیں: لو اجريت احكام المسلمين في بلد واحكام اهل الشرك فلاتكون دار حرب ما دامت تحت سلطة و لائتنا ۔ (شامی: ج٤/ص ۱۷۵) ان دار الفسق هي دار الاسلام ۔ (نيل الاوطار: ج۸/ص ۲۷)

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ جب اسلامی قوانین کا نفاذ، ان ممالک میں نہیں ہے، تو پھر ان ممالک کو دار الاسلام کیوں کہا جاتا ہے؟ تو اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس میں حرج لازم آتا ہے، کیوں کہ اگر باوجود کثرت و اغلبیت مسلمین کے، اس کو "دار الکفر" کہا جائے، تو یہ خرابی لازم آئے گی، کہ دشمن آسانی سے اسلامی ممالک پر قابض ہو جائے گا، کیوں کہ "دار الکفر" ہونے کی وجہ سے، مسلمانوں کے لیے اگر کوئی باطل طاقت حملہ آور ہو، تو دفاع لازم نہ ہوگا، اور یوں ایک ایک کر کے، تمام اسلامی ریاستیں دشمنوں کے ہاتھ چلی جائے گی۔ ہاں البتہ اس کو "دار الاسلام الفاسقہ" کہا جائے، تو کوئی حرج نہیں، یا صرف "دار الفسق" کہا جائے، لو اعتبرنا هذه الديار من دار الكفر او الحرب فهذا يعني ان المسلمين على كثرتهم سيغدون من غير اوطان و لا ديار و في هذا تمكين لاعداء الله منا اضافة الى انه لايجب على المسلمين الدفاع عنها في حال الاعتداء عليها من الكفار ۔ (فقه الاقليات: ص ۹۷)

دارالکفر کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) دارالکفر حقیقی۔ (۲) دارالکفر حکمی۔

دارالکفر حقیقی:

اس ملک کو کہا جاتا ہے، جہاں پر زمام حکومت غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو، اور وہاں کا دستور اساسی بھی انہیں کا ہو، اور مسلمانوں کو شعائر اسلام بجالانے کا قطعاً حق نہ ہو، بل کہ حکومت مسلمانوں کو ہلاک کرنے اور نقصان پہنچانے کے درپے ہو، مثلاً: رشیا جو ۱۹۹۲ء سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کا کٹر دشمن رہا، اور اسوقت اسرائیل۔

دارالکفر حقیقۃً:

و هی التی قصدها الفقهاء فی تعریفهم لدار الکفر و هی التی تظهر فیها احکام الکفر و یحکمها الکفار و انعدمت فیها مظاهر الدین تمامًا بحیث لم یعد لها وجود متمیز و لا یوجد فیها مسلمون یؤدون واجبا تهم الدینیة۔ (تقسیم العالم:ص ۲۵)

دارالکفر حکمی:

اس مملکت کو کہا جاتا ہے، جہاں حکومت تو غیر مسلموں کی ہو، دستور بھی ان کا ہو، مگر مسلمانوں کو اپنے شعائر کے بجالانے کی اجازت ہو، مثلاً: بعض یوروپی ممالک، بعض ایشیائی ممالک، بعض افریقی ممالک، جہاں مذکورہ صورت حال ہو، اس کو **دارالاسلم اور دار العهد** بھی کہا جاتا ہے۔ **و العلة فی الذهاب الی الحبشة ان هناک ملکا لا یظلم عنده احد و کان العدل فی ذاته وسامًا لذالک الملک و سماها المسلمون دار امن و ان لم تکن دار ایمان۔** (تفسیر الشعراوی:۴/۲۵۸)

دار کی ایک تقسیم وجود امن اور عدم امن کے اعتبار سے بھی ہے، جس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں، حالت جنگ اور حالت امن کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) دارالحرب:

جہاں حکومت مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار ہو، ان کے مال ان کے املاک، اور ان کی جان کو ختم کرنے یا نقصان پہنچانے کے درپے ہو، اور وہاں اسلامی دعوت کو ممنوع قرار دیا گیا ہو، اس کو ملک کو ''**دارالحرب**'' کہا جائے گا، اور اس کو ''**دار الکفر، دار الشرک، دار المخالفین**'' بھی کہا جاسکتا ہے۔

(۲) دارالامن والعہد:

جہاں حکومت تو اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہو، مگر وہ مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر چکی ہو، تو پھر اسے ''**دارالامن یا دارالکفر الآمنه یا دار العهد یا دار الکفر المعهودة**'' کہا جائے گا۔

بعض حضرات ''دار حیاد'' بھی ایک قسم قرار دیتے ہیں، ''دار حیاد'' اس ملک کو کہتے ہیں، جو مسلمانوں کے

ساتھ مصالحت کرے، کہ نہ وہ ان سے قتال کریں گے۔ نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کا تعاون کرینگے۔ ابوہرہ رضی اللہ عنہ اور وہبہ زحیلی نے یہ قسم الگ شمار کی ہے۔ (العلاقات الدولیة فی الاسلام: ص ۸۴ ، آثار الحرب : ص ۱۹۷)

یہ تھا مختصراً دار کا بیان، اخیر میں ہم اللہ سے دست بدعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو کوئی دارالاسلام عطا فرمائے، یا قیام خلافت کی کوئی سبیل اللہ رب العزت ہمارے نکالے۔ آمین یارب العالمین!

یہاں ایک وضاحت کردینا مناسب ہوگا کہ دارالاسلام اور دارالکفر قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور نہیں، لہٰذا ''دار'' کی یہ تقسیم توقیفی نہیں، یعنی منصوص نہیں ہے، بل کہ مجتہد فیہ، لہٰذا اس میں اختلاف کی گنجائش ہے، جیسے فقہاء متقدمین تقسیم ثنائی کے قائل تھے، اور ان میں بھی امام شافعیؒ ثلاثی کے قائل تھے، یعنی انکے یہاں دار کی تین قسمیں ہیں: (۱) دارالاسلام (۲) دارالکفر اور (۳) العهد یا دارالهدنة یا دارالصلح، جیسا کہ امام نوویؒ نے روضۃ الطالبین ج: ۵/ص ۴۳۲۔۔ پر ذکر کیا ہے، جیسے جیسے زمانہ کے احوال بدلتے گئے، اس کی تقسیم میں بھی اضافہ یا ردّ وبدل ہوتا گیا، مثلاً: امام ابن تیمیہ نے ایک اور قسم ''دارالفسق'' کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ ان کی کتاب مجموع الفتاوی ج: ۱۸ص: ۲۸۲۔۔ پر اس کا ذکر ملتا ہے، دورِ حاضر میں حالات کے بدلنے سے فقہاء نے ''دارحیاد'' کی اصطلاح وضع کی، جیسا کہ ابوہرہؓ اور علامہ وہبہ زحیلی کے حوالے سے اوپر ذکر کیا گیا۔ غرضیکہ ''دار'' کے منصوص نہ ہونے کی وجہ سے ابھی اس میں اجتہاد ومزید تقسیم کی گنجائش ہے، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں، کہ ہر کوئی تقسیم کیلئے قلم توڑنا شروع کردے، جو لوگ علوم شرعیہ، قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور قواعد فقہ وغیرہ پر کڑی اور گہری نظر رکھتے ہوں، وہی یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

اب اختتام پر ایک تنبیہ بھی ضروری ہے، کہ بعض لوگوں نے دار کی اس تقسیم کو سرے سے تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے، یہ بھی درست نہیں، اُن کا کہنا یہ ہے کہ یہ فقہاء کی اصطلاحات ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں، تب تو مسائل کھڑے ہوجائیں گے، اس لیے کہ واجب، فرض، سنت، مستحب، مکروہ، مباح وغیرہ بھی ہمارے فقہاء کرام ہی کی وضع کردہ اصطلاحات ہیں، اس کا مطلب تم اس کی تردید کروگے؟ فقہاء نے دراصل جو اصطلاحات وضع کیں، وہ ان کے اپنے فائدے کے لیے تو نہ تھیں، وہ امت کو سمجھانے کے لیے اور مسائل میں فرق مراتب کے لیے تھیں، تاکہ امت کو سہولت ہوجائے، کہ کونسا عمل کس حد تک مطلوب ومقصود ہے، لہٰذا ہمارے ان فقہاء کا ہمیں احسان مند ہونا چاہیے، جنہوں نے ہمیں شریعت کی روٹی پکی پکائی کھلادے۔

اللہ ہمارے ان تمام فقہاء کی قبروں کو نور سے بھر دے، اور ہمیں ان کے خون پسینے سے تیار کردہ، فقہ کی قدردانی کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین یارب العالمین!